انسانی ارادہ اور مستقبل کی تعمیر
قرآن کے تناظر میں

مؤلف: فرشتہ سقا، فتحیہ فتاحی زادہ ،ابراہیم شفیعی سروستانی
مترجم: مولانا نثار احمد زین پوری

بشریت کا مستقبل اور تاریخ کا انجام، ہمیشہ سے اللہ کو ماننے والے اور نہ ماننے والے مفکرین اور دانشوروں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ مختلف مکاتب فکر نے اس سلسلے میں مختلف منصوبے پیش کئے ہیں لیکن قرآن مجید نے بشریت کے لیے ایسا مکمل اور نوید بخش منصوبہ پیش کیا ہے جس میں تمام انسانوں کی کامیابی وخوش نصیبی سے مالا مال مستقبل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ قرآنی نقطۂ نظر سے مستقبل نگری کی بناپر انسان اپنے عزم وارادہ اور سماجی وتاریخی روایات کے قالب میں رائج قوانین پر عمل کرتے ہوئے، اپنے مستقبل کے بارے میں کسی بھی وجہ سے مجبور نہیں ہے بلکہ اس سے وہ اپنے مستقبل اور اپنی دنیا کو بنانے اور سنوارنے کے لیے بہت سی لازمی معلومات حاصل کرتا ہے اور اپنے سرگرم ارادہ کے ساتھ دنیا کے مستقبل اور اپنی تقدیر کی تعمیر کرتا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں پہلے ائمہ معصومین علیہم السلام کی احادیث کی مدد سے مستقبل کے بارے میں قرآنی اصول کو آیات کی تفسیر کی روشنی میں بیان کیا جائے گا اور پھر مستقبل موعود کو وجود میں لانے کے لیے انسان کے فعّال کردار کو قرآن کے فکری اصولوں کی روشنی میں ثابت کیا جائے گا۔

مستقبل ایک ایسا مفہوم ہے جو انسان کے عام مطالبہ کی بنیاد پر ہمیشہ زیر غور رہا ہے۔ مستقبل اور اگلے لوگوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا علم حاصل کرنے کے لئے مختلف مکاتب فکر نے بشریت کے انجام و مستقبل کے بارے میں غور کیا ہے اور ہر مکتب نے اپنی تعلیمات کی بنیاد پر اپنے پیروی کرنے والوں کے لیے اس موضوع کی توجیہ و تفسیر کی ہے۔ اس طرح مستقبل اور تاریخ کے خاتمہ کا موضوع سابقہ ادیان اور فلسفی وسیاسی مکاتب میں قابل مشاہدہ ہے۔

دوسری آسمانی کتابوں کی مانند قرآن نے بھی بشریت کے روشن وکامیاب مستقبل کی تصویر کشی کی ہے اور مستقبل موعود اسلام کی پیروی کرنے والوں کے لیے بشارت وخوشخبری کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ قرآنی نقطۂ نظر کے مطابق چونکہ اس دنیا کا خالق علم، حکمت اور طاقت والا ہے لہٰذا تاریخ ایک آسمانی حقیقت سے شروع ہوتی ہے اور انسان و دنیا کی آسمانی حقیقت ہوتی ہے۔اس مکتب میں مستقبل اور انسان کے انجام کو، جس کی توجیہ حق تعالیٰ کے ارادہ کی بنیاد پر کی جاتی ہے، روشن اور امید بخش پیرایہ میں پیش کیا جاتا ہے۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن مجید نے اپنے تاریخی منصوبہ میں، مستقبل کے منتظر انسان کو بے بس و مجبور بتایا ہے یعنی ایسے روشن مستقبل کو وجود میں لانے میں اس کا کوئی اہم کردار نہیں ہے یا یہ کہ مستقبل کی تعمیر و تشکیل میں صرف انسان کی کوششوں کو کافی قرار دیا ہے؟ شیعی تاریخ کا فلسفہ، ایک ایسا مرکز و محور ہے جس کے ذریعہ قرآن کے تاریخی نظریہ سے اس مسئلہ کو دیکھا جاسکتا ہے۔اس مضمون میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ مستقبل نگری کے بارے میں قرآنی اصول سے مدد لیتے ہوئے جو شیعی تاریخ کے فلسفہ میں بیان ہوئے ہیں، مستقبل موعود کے وجود میں لانے کے سلسلہ میں انسان کے ارادہ کو علامہ طباطبائی کے تفسیری نظریات اور شہید صدر کے افکار کی روشنی میں تجزیہ و تحلیل کیا جائے۔

مستقبل نگری کے سلسلے میں قرآن کے بنیادی اصول:

قرآن کی مستقبل نگری در حقیقت، مہدویت کے نظریہ سے مربوط ہے۔ بعبارت دیگر قرآن مجید حتمی و یقینی مستقبل کی مکمل طور پر تصویر کشی کرتا ہے۔اس کے باوجود یہ موضوع تاریخی اعتبار سے بھی تحقیق کے قابل ہے۔ شیعی تاریخ کے فلسفہ میں قرآن کے مستقبل نگری کے بنیادی اصول یہ ہیں:

ا۔ پوری تاریخ پر خدا کے ارادہ اور مشیت کی حکومت:

قرآن کے اہم معارف میں سے ایک یہ ہے کہ کائنات کے پورے نظام پر ایک ارادہ کی حکومت ہے اور وہ خدا کا ارادہ ہے۔ کائنات میں جو چیز بھی وجود میں آتی ہے اور جو بھی واقعہ رونما ہوتا ہے وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ خدا کا ارادہ ہے جو تاریخ بشریت کو آگے لئے جارہا ہے لیکن کیا اس قسم کی حاکمیت انسانی معاشرہ میں عِلّیت کے قانون کو ختم نہیں کرتی اور جبر کا سبب نہیں ہوتی یا یہ کہ انسان اپنے اعمال وافعال میں آزاد وخود مختار ہے؟

خدا کی مشیت کے موضوع سے متعلق قرآن میں تین قسم کی آیتیں ہیں۔ بعض آیتیں خدا کی مشیت مطلقہ کی تصریح کرتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ [۱]

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ [۲]

فَإِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ [۳]

یہ آیتیں کسی چیز کی خلقت کے وقت خدا کے ارادہ کو بیان کر رہی ہیں۔ ان آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز کی ایجاد کے وقت خدا کی شان کی توصیف میں "کن فیکون" کی لفظ، قول، ارادہ، فرمان اور خدا کے حکم کے معنی میں ہوتی ہے [۴]۔ صرف بحسب اعتبار خدا کا ارادہ اور اس کی قضا اس کے قول وامر پر مقدم ہے۔

بعض آیات میں اس کی مشیت مطلقہ کو تاریخ پر حاکم قوانین و سنن کے قالب میں بیان کیا گیا ہے:

وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا [۵]

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ [۶]

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَحْوِيلًا [۷]

۱۔ سورہ یٰسین، آیت ۸۲
۲۔ سورہ نحل، آیت ۴۰
۳۔ سورہ غافر، آیت ۶۸
۴۔ طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۷، ص ۱۱۵
۵۔ سورہ اسراء، آیت ۷۷
۶۔ سورہ انعام، آیت ۳۴
۷۔ سورہ فاطر، آیت ۴۳

ان آیتوں میں جس حتمیت کا مشاہدہ ہوتا ہے اس سے بشر کی زندگی میں ان قوانین کا عام اور کلی ہونا طے ہو جاتا ہے اور جب تک اس عالم ہستی میں کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوتی ، کائنات اور جو کچھ بھی اس میں موجود ہے وہ انہیں قوانین کی بنیاد پر گردش کرتا ہے۔

اس قسم کی آیتوں کے ساتھ دوسری آیتیں بھی موجود ہیں جو خدا کی مشیت شاملہ پر مبنی ہیں:

وَمَا تَشَاؤُنَ إِلاَّ أَنْ يَشَاءَ اللهُ [۱]

اس آیت میں نفی کے ذریعہ استثنا سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بندہ کی مشیت وچاہت خدا کی مشیت سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ آیت کفار کے اس وہم کو برطرف کرنے کے لیے نازل ہوئی تھی کہ ہم اپنے ارادہ اور خواہش میں مستقل ہیں۔ آیت نے یہ بتایا کہ بندے کا ارادہ اور اس کی خواہش خدا سے تعلق رکھتی ہے خود اس کے فعل سے نہیں [۲]۔ پس باوجودیکہ انسان مستقل ارادہ رکھتا ہے پھر بھی مشیت الٰہی کے تحت آتا ہے۔

آیت وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا [۳] بھی مشیت شاملہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس آیت کے مطابق اللہ کی مشیت یہ نہیں ہے کہ سبھی لوگ ایمان لے آئیں۔ اسی دلیل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سارے انسان اپنے ارادہ سے ایمان نہیں لائیں گے۔ ایمان بھی دیگر امور کی مانند کسی خاص سبب کا محتاج ہے اور یہ سبب جو بھی ہو خدا کی مشیت کے بغیر موثر واقع نہیں ہوتا ہے۔ [۴]

اس سلسلے کی آیتوں کی تیسری نوعیت میں دونوں وجہیں جمع ہو گئی ہیں۔ ارشاد ہے: وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللهَ رَمَى [۵]۔ یہ آیت جنگ بدر میں مشرکین کو بھگانے کے لیے ان کی طرف کنکریاں پھینکنے کو خدا کی طرف منسوب کرتی ہے اور اس فعل کو رسولؐ کی طرف نسبت نہ دینے کا سبب خدا کی آپ پر خاص اور غیر معمولی عنایت ہے البتہ اس کے ظاہری اور طبیعی عوامل یعنی سنگریزے پھینکنے والے رسول کی طرف نسبت دینا اس کے منافی نہیں ہے [۶]۔

۱۔ سورہ دھر، آیت ۳۰
۲۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۲۰، ص ۱۴۲
۳۔ سورہ یونس، آیت ۹۹
۴۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۰، ص ۱۲۶
۵۔ سورہ انفال، آیت ۱۷
۶۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۹، ص ۳۹

مذکورہ آیتوں کی پہلی قسم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کی مشیت خدا کی مشیت کے تحت ہے، دوسری قسم کی آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ خدا کی مشیت انسان کے اختیاری اعمال سے متعلق ہے اور آیتوں کی تیسری قسم سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری اسباب اور الٰہی سبب دونوں کا اثر ہوتا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا ارادہ اپنے وجود کے ساتھ خدا کے ارادہ کے ماتحت ہے اور وہ انسان کے اختیاری افعال کے دائرہ میں آتا ہے جن کو مادی اسباب و عوامل کہاجاتا ہے۔یہی شیعوں کا عقیدہ ہے جس کو وہ لَاجَبرَ وَلَا تَفْوِیْضَ بَلِ الْاَمْرُ بَیْنَ الْاَمْرَیْنِ[1] کی عبارت میں بیان کرتے ہیں۔ قرآن مجید اسباب ومسبّبات کے نظام اور اصل علیت کی تائید کرتا ہے اور ہر موضوع کو جیسے موت ، زندگی اور دوسرے آسمانی وزمینی واقعات کو جس کے بارے میں وہ گفتگو کرتا ہے، ایک علت سے منسوب کرتا ہے اگرچہ آخر میں توحید کے اثبات کے لئے اس کی نسبت خدا کی طرف دیتا ہے[2]۔

اسلامی نقطۂ نظر خصوصاً شیعی نظریہ کی بنیاد تمام عالم خلقت پر خدا کی حاکمیت کے محور پر استوار ہے۔ اس بناپر تاریخ کا آغاز وانجام اور تاریخ کا سفر وارتقاء سب کچھ خدا کے ارادہ کے تحت ہے۔ آیت قَالَ رَبُّنَا الَّذِی أَعْطَی کُلَّ شَیٍٔ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَی[3] ایک برہان (دلیل) پیش کرتی ہے جس میں خدا ہر چیز کا رب ہے۔ واضح ہے کہ جب خدا نے اشیا کو پیدا کیا ہے تو وہی ان کا مالک اور مدبر بھی ہے کیونکہ ان کا وجود خدا کے وجود سے وابستہ ہے[4]۔

خداوند عالم، کائنات منجملہ انسان اور تاریخ بشر کا بھی خالق ہے وہی تاریخ کے تکامل کا بھی سرپرست ورب ہے یعنی عالم اور اس کی تاریخ کی خلقت وپیدائش کا تعلق خدا کی خالقیت سے ہے اور تاریخ کے تکامل کا ربط اس کی ربوبیت سے ہے۔ بنابراین قرآن مجید تاریخی واقعات کو جو خدائی شناخت دیتا ہے وہ خدا

۱۔ کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی ،ج ا، ص ۲۸۹
۲۔ سورہ یونس، آیت ۴۴؛ سورہ کہف، آیت ۱۷
۳۔ سورہ طٰہٰ، آیت ۵۰
۴۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۴، ص ۱۶۸

کی حاکمیت کو واقعات کی علت یا واقعات کے طبیعی قوانین سے جایگزین کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ تاریخی واقعات اور خدا کی حکمت و حسن تدبیر کے درمیان جو رابطہ ہے اسے بتانا چاہتا ہے[۱]۔

قرآن علیت کے عمومی قانون کو مسلّم جانتا ہے۔ کائنات میں جو شئے بھی موجود ہے اور جو بھی واقعہ رونما ہوتا ہے وہ ایک علت یا علتوں کے مجموعہ سے وجود پذیر ہوتا ہے۔ علتوں کے بغیر وہ ممتنع الوجود ہے[۲]۔ عقل بھی بدیہی حکم اور اپنی فطرت کی بناپر اس قانون کو قبول کرتی ہے وہ ہر مادی واقعہ کی علت تلاش کرتی ہے اور اس سلسلہ میں کہ ہر واقعہ کی کوئی علت ہوتی ہے شک وتردّد میں مبتلا نہیں ہوتی ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ موضوع خدا کے علت العلل ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ مشیت خدا علت کے قوانین یا قرآن کی زبان میں الٰہی سنن کے راستہ سے جن میں تغیر و تبدل ممکن نہیں ہے، خارجی صورت اختیار کرتی ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے: وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ، اگر شہروں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم یقیناان پر آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے[۳]۔

پوری ہستی اور تاریخ پر خدا کی جو حاکمیت ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان مجبور ہے یا اس کی زندگی میں جبر ہے۔ جہاں خدا کل ہستی کے بارے میں بات کرتا ہے وہاں جبر مطلق حاکم ہے فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا [۴] لیکن جہاں انسان کے بارے میں گفتگو کرتا ہے، خواہ فرد بشر کے بارے میں ہو یا انسانی معاشرہ کے بارے میں یا تاریخ بشر کے متعلق ہو، خدا کی مشیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حوادث و وقائع میں علت و معلول کا قانون ختم ہوگیا ہے بلکہ خدا ان روابط کے وجود پذیر ہونے کو اپنی طرف نسبت دیتا ہے۔ درحقیقت دنیائے آفرینش میں جو عِلّتی روابط ہیں ان کا سرچشمہ اس کی حکمت وتدبیر اور تقدیر ہے اور اسی دلیل سے وہ خدا کا ارادہ، اس کا کلمہ اور اس کی سنت ہیں۔

۱۔ جعفری، یعقوب، بینش تاریخی قرآن، ج ۲، ص ۳۲

۲۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۷، ص ۲۹۴

۳۔ سورہ اعراف، آیت ۹۶

۴۔ سورہ انعام، آیت ۹۶

ایسے مرتبط وعلّت والے نظام کے سایہ میں جس میں انسان مطلق طور پر خدا سے وابستہ ہے، وہ ان روابط کے ادراک سے خدا کی مشیت شاملہ کو درک کرسکتا ہے اور اپنی زندگی کو اپنے ارادہ کے تحت مطلوب سمت میں لے جاسکتا ہے کیونکہ خدا کی مشیت شاملہ دو وجہ سے کارساز ہے۔ پہلی وجہ خدا کی جانب سے ہے لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ[۱] اور دوسری وجہ انسان کی طرف سے ہے وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا[۲]۔

۲۔ سنت الٰہی یعنی کائنات پر حاکم حتمی قوانین:

فلسفۂ تاریخ میں پیش کیا جانے والا پہلا موضوع تاریخ کی قانون مندی ہے۔ شہید مطہری کے نظریہ کی بنا پر جو چیز فلسفہ کی اصطلاح میں نظام کائنات اور قانون اسباب کے نام سے نظر آتی ہے اسی کو دینی اصطلاح میں "سنت الٰہی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے[۳]۔ سنن تاریخی اللہ کی سنت ہیں یعنی وہ خدا سے مربوط ہیں بعبارت دیگر قوانین تاریخ میں سے ہر قانون ایک خدائی قاعدہ ہے۔ قرآن کی تاکید اس بات پر ہے کہ تاریخی سنن خدائی ہیں اور غیبی خصوصیت کی حامل ہیں تاکہ انسان کی خدا سے وابستگی ہمیشہ ذہن میں رہے۔ چنانچہ جب انسان فطرت و نیچر سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو بھی وہ خدا سے وابستہ ہے اور کائنات کے مکمل نظام سے اور مختلف میدانوں میں طبیعت پر حاکم قوانین سے اسی صورت میں فائدہ حاصل کرسکتا ہے جب اس نے خدا سے دوری اختیار نہ کی ہو کیونکہ خداوند عالم انہیں سنتوں کے پیرایہ میں اپنی قدرت کا کرشمہ دکھاتا ہے۔ یہ سنتیں اور قوانین ارادۃ اللہ ہیں اور یہی کائنات میں اس کی حکمت وتدبیر کو مجسم کرتی ہیں[۴]۔ یہی وجہ ہے کہ الٰہی سنن و قوانین کا یہ مجموعہ قرآنی اصطلاح میں دین کہلاتا ہے[۵]۔

قرآنی نقطہ نظر کے مطابق تاریخی سنت سے مراد کچھ ایسے مفاہیم (اصول و نظریات) ہیں جو تاریخ کی قانون مندی کو بیان کرکے تاریخ کی حرکت کی ڈگر یہاں تک کہ سفر تاریخ کے مقصد کو بیان کرتے ہیں[۶]۔ شہید صدر نے قرآنی آیتوں میں سے کچھ ایسے قوانین وضوابط کو پیش کیا جو تاریخ پر اثر انداز ہوئے

۱۔ سورہ اعراف، آیت ۹۶
۲۔ سورہ اعراف، آیت ۹۶
۳۔ مطہری، مرتضی، مجموعہ آثار، ج۱، ص ۱۳۵
۴۔ ایضاً، ص ۸۵
۵۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۶، ص ۱۹۳
۶۔ صدر، محمد باقر، الموسوعہ الشہید الصدر، ج ۱۹، ص ۷۴

ہیں جیسے پورے معاشرہ کی موت (یونس،۱۹) مقررہ وقت میں دنیوی سزا (کہف،۵۸۔۵۹) رسول کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے معاشروں کی تباہی (اسراء،۷۶۔۷۷) اور رسولوں کا اپنی قوم کے خوش حال طبقہ سے جہاد (سباء،۳۴۔۳۵) ۔

شہید صدر جنہوں نے تاریخی واقعات کے اتفاقی اور تقدیری ہونے کی مخالفت میں قرآن کے نقطۂ نظر کو روشن کیا ہے،انہوں نے تاریخی استقرا[1] کو قرآن میں تاریخی قوانین کے ادراک کے لیے ایک علمی نہج کے عنوان سے پیش کیا ہے[2]۔

خداوند متعال نے أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللهُ عَلَيْهِمْ[3] جیسی آیتوں میں گذشتہ واقعات کو بیان کرکے ان کی علت کو جاننے کی ترغیب کی ہے۔ شہید صدر ان دونوں آیتوں سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گذشتہ واقعات کو پیش کرنے میں خود قرآن بھی استقرائی نہج کا استعمال کرتا ہے۔ شہید صدر کا نظریہ یہ ہے کہ تاریخی حوادث میں استقرا انسان پر علم تاریخ اور تاریخ کی سنن کے حقائق کو روشن کرتا ہے۔ بعبارت دیگر ایسی آیات میں غور وفکر کرنا، قرآن سے تاریخی قوانین وضوابط کے استخراج کا سبب ہوتا ہے۔ درحقیقت قرآن انسان کو یاد دلاتا ہے کہ وہ ان سنن وقوانین کے کشف وادراک کے ذریعہ اپنی قسمت پر ایک فاعل موثر کے عنوان سے حاکم ہوسکتا ہے[4]۔

تاریخی سنن وقوانین قرآن مجید میں، قضیۂ شرطیہ یا قطعیہ یا فطری کشش ومیلان کی شکل میں بیان ہوئے ہیں۔ یقینا ان میں سے زیادہ تر قضیہ شرطیہ کی صورت میں بیان ہوئے ہیں کیونکہ کائنات

۱۔ یہ علمی کام ہے جو گذشتہ جزئی حوادث پر اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ تاریخی سنن وقوانین حاصل ہوسکیں۔ منطق میں استقرا اس استدلال کو کہتے ہیں جس میں خاص وجزئی حقائق کے مشاہدہ کی بنیاد پر اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ مشاہدہ شدہ تمام جزئیات پر حکم صادق ہے، کلی حکم حاصل کرتے ہیں اور یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ حکم کلی پر بھی صادق ہے۔ جیسے مشاہدہ ہے کہ ہر ہنس سفید ہے پس تمام ہنس سفید ہیں۔ اس استدلال کی بنیاد پر قرآن کے تاریخی واقعات میں بھی تاریخی حوادث کے جزئیات کے تتبع وجستجو کے ساتھ کلی قوانین کو اخذ کیا جاسکتا ہے۔ (اژہ‌ای، محمد علی، مبانی منطق، ص ۱۴۴تا۱۴۷)

۲۔ الموسوعہ الشہید الصدر، ج۱۹، ص ۵۴

۳۔ سورہ محمد، آیت ۱۰

۴۔ الموسوعہ الشہید الصدر، ج۱۹، ص ۶۷

تاریخی سنن و قوانین کی سطح پر شرط وجزا کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے۔ ایسے قوانین انسان کی معمولی زندگی میں بڑے مددگار ثابت ہوئے ہیں اور انسان سازی میں ان کا بڑا کردار رہا ہے کیونکہ انسان ان قوانین کی شناخت کے ذریعہ اپنے متعلق شرط وجزا کے بارے میں اقدام کر سکتا ہے۔ جب بھی وہ خود کو جزاء کا محتاج دیکھے تو اپنے ہاتھ سے شرط فراہم کرے اور شرط وجزاء کے قانون پر عمل کرے اور جب شرط کی جزاء اس کے فائدہ میں نہ ہو تو شرط کو وجود میں آنے سے روکے تاکہ جزا وجود پذیر نہ ہو[۱]۔

الٰہی قوانین اور سنتوں کی کچھ خصوصیات ہیں۔ قرآن کی تاریخی سنتوں میں سب سے پہلے ان کا خدائی ہونا، پھر ان کا عمومی ہونا اور پھر انسان کے ارادہ واختیار کی آزادی کا لحاظ کیا گیا ہے۔ درحقیقت علمی قوانین کے کلی وہمہ گیر ہونے نیز ان کے یقینی ہونے (جس پر قرآن میں بھی تاکید کی گئی ہے) کی وجہ سے انہیں علمی حیثیت ملی ہے اور مسلمانوں کو اس بات پر ابھارا ہے کہ وہ تاریخی واقعات کا بصیرت وآگاہی کے ساتھ مطالعہ کریں اور انہیں منطق کے ساتھ قبول کریں[۲]۔

۳۔ ہمہ جہتی کمال کی طرف حرکت

قرآن میں جس مستقبل کی بات ہوئی ہے ،اس کی سب سے اہم خصوصیت، نوع بشر کا کمال وعروج کی طرف سفر ہے۔ اس کمال وبلندی کا نقطۂ عروج، انسان کا عقلی، اخلاقی اور اجتماعی کمال ہے جسے وہ انبیاء و ائمہؑ کی راہنمائی میں حاصل کرتا ہے۔ انسان کا آخری انجام ، تاریخ کے آخری زمانہ میں (مہدی موعود کے ظہور کے وقت) ہمہ جہت تکامل پر فائز ہونا ہے[۳]۔

تکامل کا نظریہ، دنیائے حیات میں موضوع بحث قرار پانے سے پہلے، انسانی تاریخ ومعاشرہ میں موضوع بحث رہا ہے۔ اجتماعی وسماجی تکامل کے نظریہ کی بازگشت زمانہ قدیم کے فلاسفہ کی طرف ہوتی ہے[۴]۔ معاصر دانشوروں میں سے بعض کا خیال ہے کہ انسان چونکہ اپنے افعال میں خود مختار ہے اور اس

۱۔ الموسوعہ الشہید الصدر، ج۱۹، ص۸۹ و۹۱
۲۔ ایضاً، ص۶۹
۳۔ کارگر، رحیم، آیندہ جہان، ص ۳۵
۴۔ پوپر، کارل، فقر تاریخی گری، ص۱۱۸

کے مستقبل میں اس کا کردار ہوتا ہے لہٰذا معاشروں کے مستقبل میں کوئی سیر تکاملی نہیں ہوتی ہے[۱]۔

تکامل یعنی کمال حاصل کرنا، کمال قبول کرنا اور کمال اس افزائش کو کہتے ہیں جس کو ایک موجود اپنی ہستی کے ماحول میں رہتے ہوئے حاصل کرتا ہے۔ عالم مادہ کا عام قانون، تغیر و تکامل ہے جس کو تمام اسلامی فلاسفہ اور موجودہ عہد کے دانشور قبول کرتے ہیں[۲]۔

تغیر و تکامل کے عام قانون کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس کائنات کے ہر موجود کا وجود تدریجی ہے یعنی وہ کمزوری سے قوت کی طرف اور نقص سے کمال کی سمت سفر کرتا ہے تاکہ وہ اپنے وجود اور اپنے افعال وآثار میں کمال پیدا کرے اور کمال کی انتہا کو پہنچ جائے۔ انسان بھی اسی کائنات کا جز ہے اور اس کے اندر بھی اور اس کے افعال وآثار میں بھی، تغیر و تکامل ہوتا رہتا ہے۔ اس کے اندر ہونے والے تغیرات میں سے وہ آثار بھی ہیں جن کو وہ افکار وادراک سے وجود میں لاتا ہے[۳]۔ البتہ یہ قانون انسانوں کے لئے ذرا مختلف ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ کائنات کے تکامل وترقی کے سفر میں نوع انسان اگرچہ آگے بڑھنے کے لیے مجبور ہے لیکن تمام انسان قہری ولازمی طور پر تکامل وترقی کی طرف سفر نہیں کرتے ہیں کیونکہ الٰہی سنتوں کی بنیاد پر انسان اپنی زندگی کا راستہ اختیار کرنے میں آزاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں انسانوں کے سفر کے دو طریقے ملتے ہیں۔ ایک گروہ کمال انسانی کی منزلیں طے کرتا ہے۔ دوسرا اپنی جگہ سے گرتا ہے اور انحطاط کی طرف جاتا ہے۔ تاریخ میں انسانوں کے یہ دو مختلف الجہات اور متضاد سفر نظر آتے ہیں۔ انہیں دونوں سے حق و باطل کے محاذ بنے ہیں جو ہمیشہ ایک دوسرے ٹکراتے اور لڑتے ہیں[۴]۔

بنابرایں کائنات کا نظام اپنے سفر میں کمال کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کائنات کا کوئی بھی ذرہ ساکن وبے حرکت نہیں ہے اور ان کے اس سفر وحرکت کا اصل سبب کائنات کے کلی قوانین ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کلی قوانین ثابت ہیں اور ان میں تکامل نہیں ہوتا ہے۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ

۱۔ مصباح یزدی، محمد تقی، جامعہ وتاریخ از دیدگاہ قرآن، ص ۱۶۷

۲۔ طباطبائی، محمد حسین، روابط اجتماعی در اسلام، ص ۲۳۱۔۲۳۰

۳۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱، ص ۶۶

۴۔ پایدار، حبیب اللہ، برداشت ہایی در بارہ فلسفہ تاریخ از دیدگاہ قرآن، ص ۹۲۔۹۳

تَخْوِیلًا[۱]۔ کائنات میں کچھ قوانین ثابت ہیں جیسے کہ قانون علیت ، علت و معلول کی سنخیت کا قانون، معلول کا علت کے مخالف نہ ہونے کا قانون اور تحول و تغیر کا قانون ،جس میں غور وفکر کرنے اور طبیعی ومادی قوانین میں تخیلی طاقت سے کام لے کر نظام کائنات میں انقلاب پیدا کیا جاسکتا ہے[۲]۔ باوجود اس کے کہ یہ قانون مادہ اور انسان کے اندر دائمی حرکت کو بیان کرتا ہے لیکن خود ثابت ہے۔

انسان کے لیے راہ تکامل پر چلنا ناگزیر ہے لیکن اس تکاملی سفر کا سبب وسرچشمہ کیا ہے؟اس سوال کا جواب دو طریقوں سے دیا جاسکتا ہے۔ ایک طرف تو کائنات میں تکاملی حرکت کو ہدایت عمومی کے قانون کی بنیاد پر ثابت کیا جاسکتا ہے۔ یہ قانون تمام مخلوقات پر نافذ ہے اور انسان کے اندر بھی ایسی قوت موجود ہے جو انسان کو کمال وسعادت کی طرف ہدایت کرتی ہے ۔ واضح ہے کہ اگر انسان کے لیے اس کمال وکامیابی کا امکان نہیں ہے جو اجتماعی زندگی گزارتا ہے تو اصل تجہیز باطل ولغو ہوگی، جبکہ خلقت وآفرینش میں کوئی بھی شئے باطل نہیں ہوتی ہے۔ یہ بات فقط عمومی قانون ہی نہیں ہے بلکہ انسان کو اس کی ضرورت بھی ہے[۳]۔ بشر کی یہ فطری ضرورت وخواہش ہمیشہ سے اس کے ساتھ ہے اور اس نے کامیاب معاشرہ بنانے کی آرزو میں زندگی گزاری ہے۔ درحقیقت انسان کی یہ اندرونی فطری ضرورت خلقت کے کلی قوانین سے ہم آہنگ ہے۔

دوسری طرف مستقبل موعود میں انسانی معاشرہ عدل وانصاف سے پر ہوجائے گا اور لوگ ایک دوسرے کے ہمراہ صلح وآشتی کے ساتھ زندگی بسر کریں گے اور اجتماعی واخلاقی کمال کے عروج پر پہنچ جائیں گے۔ البتہ ایسے حالات کو برقرار کرنا خود انسانوں کے ہاتھ میں ہے۔ ایسے معاشرہ کا رہبر، منجی بشریت اور روایات کے مطابق حضرت مہدی موعود ہوں گے۔ اس بنا پر خلقت کے کلی قوانین، دین اور فطرت انسان کے بنیادی اصول، انسان ومعاشرہ میں انقلاب وتکامل پیدا کرنے کے لیے ایک نہج پر کام کررہے ہیں۔

جن عوامل واسباب نے تاریخ میں انسان کے ارتقائی سفر وحرکت پر اثر ڈالا ہے، وہ متعدد ہیں۔ مُتَأَلِّهین میں سے ایک گروہ فقط خدا کی قضا وقدر کو تاریخ کا سبب قرار دیتا ہے۔ اس گروہ کے نقطۂ نظر سے

۱۔ سورہ فاطر، آیت ۴۳

۲۔ روابط اجتماعی در اسلام، ص ۳۲ - ۳۴

۳۔ طباطبائی، سید حسین، شیعہ در اسلام، ص ۱۴۹

تاریخ کے تمام چھوٹے بڑے حوادث کا عامل وسبب خدا کی مشیت ہے۔ بعض طبیعی علوم کے ماہرین کا خیال ہے کہ بشری علوم کی کثرت حرکت تاریخ کا سبب ہے۔ جغرافیہ، نسل ونژاد، شخصیات اور سورماؤں کو بھی تاریخ کے دیگر عوامل میں شمار کیاجاسکتا ہے[۱]۔ کچھ فلاسفہ نے متعدد عوامل سے تاریخ کی تفسیر کی ہے۔ اسلامی دانشوروں میں سے بعض نے انسان کی سیر نہ ہونے والی اور کمال کی متلاشی فطرت کی طرف اشارہ کیا ہے اور فطرت کا نظریہ پیش کرکے تاریخ کی تفسیر بیان کی ہے[۲]۔

تضاد کو بھی تاریخ اور انسانی معاشرہ میں تبدیلی کا سبب بتایا گیا ہے۔ خود انسانوں کے اندر تضاد یعنی کششوں اور اندرونی قویٰ کے درمیان تضاد پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ انسانوں اور فطرت (نیچر) میں بھی تضاد ہے جو اس کے اور اس کی اجتماعی مناسبتوں کے درمیان پیش آتا ہے[۳]۔

قرآن مجید میں طبیعت کے تضاد کو زوجیت کے قالب میں بیان کیا گیا ہے جو موجودات کی بقاء کا سبب ہوتا ہے[۴]۔ انسان کے اندر کا تضاد جو ابتدائے خلقت سے موجود ہے، شیطان سے جہاد کی صورت میں بیان ہوا جو عدو مبین یعنی کھلا دشمن ہے[۵]۔ معاشرہ میں انسانوں کے درمیان جو تضاد پایا جاتا ہے وہ بھی تاریخ میں حق و باطل کی جنگ کے عنوان سے موجود رہا ہے[۶]۔

قرآن کے نقطۂ نظر سے حق و باطل میں ابتدائے تاریخ سے ہی جنگ چلی آرہی ہے اور تاریخ کے اختتام تک باقی رہے گی۔ حق کی طاقت یعنی مومنین انبیاء کا اتباع کرتے ہیں اور آخر میں وہی کامیاب ہوں گے[۷]۔ البتہ معاشرہ میں نقص سے کمال کی طرف حرکت کا تقاضا یہ ہے کہ اشیاء کے درمیان نقص و تضاد موجود ہو۔اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ تکامل پذیر اسلامی معاشرہ میں یہ تضاد، دین کے ثابت

۱۔ مجموعہ آثار، ج ۱۵، ص ۴۶
۲۔ ایضاً، ج ۲۴، ص ۲۲۴
۳۔ برداشت ہایی در بارہ فلسفہ تاریخ از دیدگاہ قرآن، ص ۱۲۰
۴۔ سورہ ذاریات، آیت ۴۹
۵۔ سورہ حج، آیت ۵۳
۶۔ سورہ مومنون، آیت ۷۰
۷۔ سورہ مجادلہ، آیت ۲۱

اصول (توحید، نبوت، قیامت) میں نہیں ہوگا جن کے بارے میں ادیان سہ گانہ، اسلام و یہود و مسیحیت متفق ہیں، بلکہ یہ تغیر وانقلاب حیات بشری کی مادی ترقی اور علوم وفنون کی پیش رفت میں ہے[۱]۔

اسلام کے نقطۂ نظر سے بشر ایسے معاشرہ میں کمال کی منزل پر پہنچے گا جس میں بشر کی فطرت سے ہم آہنگ عدالت اجتماعی کا رواج ہوگا۔ ایسے معاشرہ میں انسان اپنے نفع بخش علم اور صالح عمل کے ذریعہ کمال وکامیابی کی راہ پر گامزن ہوسکے گا[۲]۔

صالح عمل وہ عمل ہے جو برحق عقاید کے (عبودیت وخلوص) مطابق انجام پذیر ہو۔ صالح عمل کو علم کی ایک شاخ اور اس کا پھل قرار دیا جاتا ہے۔ صالح عمل کی تکرار سے عقاید میں استحکام پیدا ہوتا سعادت حاصل کرنے کی سمت میں انسان کی سیر تکاملی کے لئے دو پر یعنی علم نافع اور عمل صالح، لازم وضروری ہیں۔ علامہ طباطبائی ڈاکٹر کربن سے مناظرہ کے دوران اس سلسلہ میں کہتے ہیں:

"اسلام نے اپنے ماننے والوں کی حقیقی سعادت کے لیے جو طریقہ معین کیا ہے یعنی اعتقاد و عمل کا راستہ، وہ کچھ ایسا ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے عقیدہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اور حقیقی نتیجہ نہیں دیتا ہے[۳]۔"

شیعی مستقبل بینی یا آئندہ نگری کے عنوان سے انقلاب امام مہدیؑ کا اعتقاد معاشرہ میں حرکت و تغیر تبدیلی پر مشتمل ہے کیونکہ انقلاب ایک اجتماعی مفہوم ہے اور بشریت اپنے درد کے علاج کے لیے اس کی طرف بڑھتی ہے۔ انقلاب میں ایک مفہوم اصلاح کا بھی ہے جس کا سوتا توحید اور فطرت بشر سے پھوٹتا ہے[۵]۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ، تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ[۶]

۱۔ برداشت ہایی در بارہ فلسفہ تاریخ از دیدگاہ قرآن، ص ۲۰
۲۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۴، ص ۱۱۹
۳۔ ایضاً، ج ۱۷، ص ۳۳
۴۔ ایضاً، ص ۷۵
۵۔ معموری، علی، نظریہ سیاسی شہید سید محمد باقر صدر، ص ۱۷۸- ۱۸۰
۶۔ سورہ صف، آیات ۱۰-۱۱

ترجمہ: اے ایمان لانے والو! کیا میں تمہیں ایسا راستہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے؟ (وہ راستہ یہ ہے) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور راہ خدا میں اپنی جانوں اور اموال کے ذریعہ جہاد کرو اور یہ (ایثار و فداکاری) تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

اس بنا پر انسانی معاشرہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ لامتناہی سمت میں مستقل اور دشوار سفر جاری رکھنے کے پیش نظر سیر تکاملی کے تمام حالات واسباب خود فراہم کرے اور ان پر کل روابط کی بنیاد رکھے[1]۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ [2]

ترجمہ: بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور انہیں کتاب و میزان (پیمانہ) دیا تاکہ لوگ عدل کے ساتھ قیام کریں اور لوہا نازل کیا جس میں لوگوں کے لیے شدید خوف وخطر اور نفع ہے تاکہ خدا یہ دیکھے کہ پوشیدہ طور پر خدا اور اس کے رسول کی کون مدد کرتا ہے، بے شک خدا زبردست قوت والا ہے۔

مذکورہ آیت کی بنا پر لوگ خود اپنے قیام وجہاد سے معاشرہ میں انقلاب برپا کرتے ہیں اور انبیاء واولیا کا یہ فرض نہیں ہے کہ لوگوں کی مدد کے بغیر اور خود اکیلے اس تحریک کو کسی نتیجہ تک پہنچائیں بلکہ ان کا کام لوگوں کی قیادت کرنا، انہیں حالات اور انجام کار سے آگاہ کرنا اور ان کے اجتماعی شعور میں پختگی پیدا کرنا ہے۔

ذَلِكَ بِأَنَّ اللهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ [3]

ترجمہ: یہ سزا اس لیے ہے کہ خدا نے جس قوم کو کوئی نعمت دی ہے اسے وہ نہیں بدلتا ہے مگر یہ کہ وہ اپنے باطن کو بدل دے۔

۱۔ صدر، محمد باقر، خلافت انسان و گواہی پیامبران، ص ۱۸
۲۔ سورہ حدید، آیت ۲۵
۳۔ سورہ انفال، آیت ۵۳

اس بناپر تاریخی تبدیلی و تغیر،انسانوں اور تاریخی قوانین (سنت الٰہی) کے ذریعہ رونما ہوتی ہے اور انقلاب کی تیاری کے لیے انسانوں کے ارادی عمل کو علم وبصیرت کی ضرورت ہوتی ہے اوراس ضرورت کو معاشرہ کا رہبر پورا کرسکتا ہے[۱]۔

۴۔تاریخ کی غرض وغایت:

قرآن سے یہ بات ثابت ہے کہ کائنات کو خدا نے ایک مقصد کے تحت خلق کیا ہے اور تاریخ اسلام کے فلسفہ میں تاریخ کا مقصد حضرت مہدیؑ کی عالمی حکومت کے ساتھ پورا ہوگا۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلاً[۲] نظام خلقت میں انسانوں کے تکامل وارتقاء کے اسباب موجود ہیں۔ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً[۳] بعض آیتوں میں اللہ کی عبادت کو کائنات کی تخلیق کا مقصد قرار دیا گیا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُونِ[۴]

ہر معاشرہ کی غرض وغایت کا تعلق اس معاشرے کے ارمانوں سے ہوتا ہے۔ معاشرہ کے ارمان اور آرزو، جس قدر کامل وعظیم ہوں گے اسی تناسب سے اس معاشرہ کے اغراض ومقاصد عظیم ہوں گے۔ ہر معاشرہ اپنے پسندیدہ ارمان کو قبول کرکے درحقیقت اپنے تکامل کے راستہ کا انتخاب کرتا ہے۔ قرآن وروایات نے اپنے ارمان کو اللہ کے نام سے یاد کیا ہے[۵]۔ قرآنی ارمان، ساری بشریت کے لیے مطلق طور پر ایک ارمان ہے۔ یہ کسی ایک معاشرہ یا گروہ سے مخصوص نہیں ہے۔قرآن فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ[۶]

کَدَحَ کے معنی لغت میں کوشش کرنا، مشقت اٹھانا ہے[۷] اور اس آیت میں یہ ایک رضاکارانہ

۱۔ برداشت ہایی در بارہ فلسفہ تاریخ از دیدگاہ قرآن، ص ۲۱۹

۲۔ سورہ ص، آیت ۲۷

۳۔ سورہ ملک، آیت ۲

۴۔ سورہ ذاریات، آیت ۵۶

۵۔ الموسوعہ الشہید الصدر، ج ۱۹، ص ۱۲۰

۶۔ سورہ انشقاق، آیت ۶

۷۔ راغب اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، ج ۱، ص ۷۰۴

عمل اور حرکت ہے جس کے ساتھ رنج ومشقت بھی ہے۔ یہ حرکت دوسری حرکتوں سے کچھ مختلف ہے کیونکہ یہ تکاملی سیر ہے۔ قرآن کی دوسری آیتوں میں تکامل کے اس راستہ کو سبیل اللہ، صراط اور صراط اللہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ درحقیقت کدح انسانوں کو اس معاشرہ کا راستہ اور طریقہ بتاتا ہے جو تمام انسانوں پر محیط ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس گروہ کو بھی جس نے کمال کے خلاف اپنے راستہ کا انتخاب کیا ہے جیسے مشرکین اور خدا نے جھوٹے خداؤں کی پرستش کی بناپر ان کی سرزنش کی ہے[۱]۔

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ [۲]

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ بشریت کا کاروان اللہ کی طرف سفر کررہا ہے۔إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ [۳]۔ اور یہ موضوع بشر کے انتخاب وآزادی کے خلاف نہیں ہے۔ انسان جس محاذ پر بھی (چاہے وہ حق ہو یا باطل) پہنچے گا، وہ خدا کی سنت کے مطابق اپنے معبود حقیقی کی طرف جائے گا۔

آخرکار شیطان کو دی گئی مہلت ختم ہوجائے گی۔قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ [۴] وہ دن شیطان کی موت کا دن ہوگا کیونکہ اس روز خدائی حقائق پورے طریقے سے واضح ہوجائیں گے اور حق ہی حق ہوگا، باطل کی گنجائش ختم ہوجائے گی اور شیطانی سراب کا خاتمہ ہوگا جس کے سبب خدا کے بندے گمراہ ہوتے ہیں۔ بشر تمام شیطانی طاقتوں کو ختم کردے گا اور اپنے کمال کے راستہ کی تمام رکاوٹوں کو ہٹادے گا اور تاریخ کے مقصد کو حاصل کرلے گا یعنی روئے زمین پر بس ایک خدا کی حکومت ہوگی۔

قرآن کا تاریخی مقصد، استخلاف ہے یعنی انسان روئے زمین پر الٰہی منصب خلافت کو حاصل کرلے گا۔ اس الٰہی منصب تک وہی انسان پہنچ سکتا ہے جو تخلقوا باخلاق اللّٰہ [۵] سے آراستہ ہوتا ہے کیونکہ یہ منصب اس شخص کے شایان شان ہے جو اپنے کو خدا جیسا بنالیتا ہے، جس سے وہ خدا کے قرب ومقام خلافت تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے واضح مصداق ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔

۱۔ الموسوعہ الشہید الصدر، ج۱۹، ص ۱۴۲

۲۔ سورہ نجم، آیت ۲۳

۳۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۵۶

۴۔ سورہ حجر، آیات ۳۷۔۳۸

۵۔ مجلسی، محمد تقی، روضة المتقین فی شرح من لا یحضره الفقیه، ج ۴، ص ۴۰۳

۵۔ تاریخی سنتوں کے تحقق میں انسان کے ارادہ کا اثر:

جب انسان تاریخی سنتوں کی بحث میں داخل ہوتا ہے تو اس کے ذہن میں ایک غلط تصور پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی آزادی اور تاریخی سنتوں کے درمیان ایک قسم کا تضاد ہوتا ہے۔ تاریخ کی سنتوں کے اثبات میں قرآن کا نہج کچھ ایسا ہے کہ وہ اس غلط تصور کو رد کرتے ہوئے اس مفہوم کی تاکید کرتا ہے کہ اس دنیا میں یکے بعد دیگرے جو واقعات رونما ہوتے ہیں ان کا محور انسان کا ارادہ ہے[۱]۔ بطور مثال، قرآن مجید کسی قوم کے حالات کی تبدیلی کو خود اس قوم کی اپنے اندرونی تبدیلی کے بعد بیان کرتا ہے:

إِنَّ اللهَ لاَيُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ حقیقت یہ ہے کہ خدا کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے[۲]۔

یا دوسری آیت میں شہروں کے ہلاک شدہ لوگوں کی ہلاکت کا سبب خود انہیں لوگوں کے ظلم کو قرار دیا گیا ہے۔ وَتِلْكَ الْقُرَى أَهلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا ،چونکہ ان شہروں کے باشندوں نے ظلم کیا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے وقت مقرر کر رکھا تھا[۳]۔

ذَلِكَ بِأَنَّ اللهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ۔ یہ سزا اس لیے ہے کہ خدا نے جس قوم کو جو نعمت دی ہے وہ اسے نہیں بدلتا ہے مگر یہ کہ وہ قوم خود کو بدل ڈالے[۴]۔

مذکورہ آیات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ تاریخی سنتیں انسان کے بس کے باہر نہیں ہیں اور خدا نے انسان کو زندگی میں ہر مطلوب تبدیلی کا اختیار دے دیا ہے اور انسان کے لیے سنہرے مواقع ہیں کہ وہ اپنے انتخاب اور اپنے ارادہ کی آزادی کو ثابت کرے۔ اس بنا پر انسان کے انتخاب کا مسئلہ ان اسلامی سنتوں میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے جس کی نقشہ کشی قرآن نے کی ہے۔ قرآن کی تاریخی سنتوں میں سے تین سنتیں ایسی ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ اجتماعی و تاریخی انقلاب میں انسان مختار و موثر ہے:

۱۔ برداشت ہایی در بارہ فلسفہ تاریخ از دیدگاہ قرآن، ص ۹۰
۲۔ سورہ رعد، آیت ۱۱
۳۔ سورہ کہف، آیت ۵۹
۴۔ سورہ انفال، آیت ۵۳

اجتماعی انقلاب کا معاشرہ کے افراد کے درونی تبدیلی سے ارتباط:

سورہ رعد کی آیت نمبر ۱۱ میں ارشاد ہوتا ہے إِنَّ اللهَ لاَيُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ۔ آیت میں خلاصہ کے طور پر یہ بات کہی گئی ہے کہ خدا نے یہ حتمی فیصلہ کر دیا ہے کہ اس نے انسان کو جو نعمتیں اور بخششیں دی ہیں، ان کا ربط خود انسان کے نفسانی حالات سے ہے۔ اگر وہ حالات خود اس کی فطرت کے مطابق ہوں گے تو ان نعمتوں اور بخششوں کا سلسلہ بھی جاری رہے گا۔ مثلاً اس آیت میں ارشاد ہوتا:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ ترجمہ: اگر شہر والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے (حق کو) جھٹلایا تو ہم نے بھی انہیں ان کے کرتوت کی سزا دی۔[۱]

یعنی جب تک ان کے دل میں ایمان رہے گا خدا کی برکتوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔ جب یہ اپنی حالت بدل دیں گے تو خدا بھی اپنی سنت بدل دے گا اور نعمت کو نقمت میں تبدیل کر دے گا[۲]۔ جس چیز کو معاشرہ کی تبدیلی سے پہلے بدل جانا چاہئے وہ نوع انسان کے افراد ہیں کیونکہ معاشرہ کا تغیر خود اس کے افراد کے تغیر پر موقوف ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان مجبور نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر انسان مجبور ہوتا تو خدا معاشرہ کے تغیر کو معاشرہ کے افراد کے تغیر سے مشروط نہ کرتا۔ پس نیک و صالح معاشرہ وہ ہے جس کے افراد صالح اور نیک ہیں۔ اسی طرح فاسق معاشرہ، خراب و فاسد افراد سے وجود میں آتا ہے[۳]۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ، جو خوبیاں تم لوگوں کو میسر آئی ہیں وہ خدا کی طرف سے ہیں اور جو تکلیف تمہیں پہنچتی ہے اس کا سبب تم خود ہو[۴]۔ علامہ طباطبائی خوبیوں کو خدا کی طرف نسبت دینے اور برائی کو انسان سے منسوب کرنے کے بارے میں اس آیت کے ساتھ سورہ انفال کی آیت نمبر ۵۳ کو نقل کرتے ہیں:

۱۔ سورہ اعراف، آیت ۹۶

۲۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۱، ص ۳۱۰

۳۔ مقدم، احمد حامد، سنت ہای اجتماعی در قرآن کریم، ص ۱۹۔۲۰

۴۔ سورہ نساء، آیت ۷۹

ذَلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ، اور یہ سزا اس لیے ہے کہ خدا کسی قوم کو دی ہوئی نعمت کو نہیں بدلتا ہے مگر یہ کہ وہ لوگ اپنے دل کی حالت کو بدل دیں۔ علامہ طباطبائی دونوں آیتوں کو قریب المضمون سمجھتے ہیں[1]۔ اس بنا پر انسان کی زندگی کی خوبیاں اور برائیاں خود اس کے عمل کا نتیجہ ہیں اور اس کو خدا کی مذکورہ سنت کی ایک نشانی سمجھا جائے گا[2]۔

انبیاء کی دعوت قبول کرنے میں انسان کا اختیار:

خدا کی طرف سے ہدایت کے لیے رسولوں کو بھیجنا بھی خدا کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ رسولؐ کی بعثت کے بعد ایک گروہ ہدایت پاتا ہے اور دوسرا ضلالت کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ خدا ہدایت کے امکان سب کے لیے فراہم کرتا ہے۔ اتمام حجت کے بعد لوگوں کو اختیار ہے کہ راہ صواب اختیار کریں یا غلط راستہ اپنائیں[3]۔ یہ موضوع چند آیتوں میں موجود ہے ، مثلاً:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلاَلَةُ، ترجمہ: بے شک ہم نے ہر امت میں ایک رسولؐ بھیجا تاکہ وہ انہیں خدا کی عبادت اور شیطان سے اجتناب کے لیے کہے۔ اس کے بعد خدا بعض کو ہدایت دیدیتا ہے اور بعض ایسے ہیں جن کے لیے گمراہی سزاوار ہے[4]۔

مذکورہ آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ رسولوں کا بھیجنا ایسی سنت ہے جو تمام قوموں اور امتوں کو شامل ہے، کسی ایک امت سے مخصوص نہیں ہے۔ ایک دوسری آیت سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے:

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُكْرًا، ترجمہ: اور کتنے ہی شہر والوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے روگردانی کی تو ہم نے ان سے

۱۔ المیزان فی تفسیر القرآن ، ج۵، ص۹
۲۔ برداشت ہایی درباره فلسفہ تاریخ از دیدگاہ قرآن، ص۲۹
۳۔ ایضاً، ص ۲۳
۴۔ سورہ نحل، آیت ۳۶

سخت حساب لیا اور انہیں بدترین عذاب میں مبتلا کیا[۱]۔

آیت میں جس عذاب کا ذکر ہوا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگ رسولوں کی دعوت کو قبول کرنے یا قبول نہ کرنے کا اختیار رکھتے تھے۔ قرآن مجید لوگوں کی دین حق سے عداوت وسرکشی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے جو بجائے خود انسان کے مختار ہونے کی دلیل ہے۔

اپنی قسمت میں انسان کا دخل:

سنت امداد کی بنیاد پر دنیا کو چاہنے والوں کو دنیوی زندگی میں اور آخرت کے متوالوں کو اخروی زندگی میں امداد ملتی ہے۔ کچھ آیتیں انسان کو اپنی قسمت کا ذمہ دار قرار دیتی ہیں۔ بعض آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا اپنے ارادہ اور مشیت کی بنیاد پر انسانوں کی آرزوؤں کو پورا کرنے میں جتنی مناسب سمجھتا ہے مدد دیتا ہے۔اس بناپر ان آیتوں میں اپنی اور اپنے معاشرہ کی قسمت کے لئے انسانوں کے کردار کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۔ترجمہ: جو شخص (زود گزر) دنیا چاہتا ہے تو ہم عنقریب اس دنیا میں سے جس کو جتنا چاہیں گے دیں گے بعد میں تو اس کے لیے ہم نے جہنم مہیا کر رکھا ہے جس میں وہ دھتکار وذلت کے ساتھ داخل ہوگا اور جو آخرت کا طلب گار ہے اور اس کو حاصل کرنے کی وہ انتھک کوشش کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو یہی لوگ ہیں جن کی سعی مشکور ہوگی[۲]۔

اس آیت میں خداوند عالم فرماتا ہے کہ جو اس زود گزر دنیا کو چاہے گا تو ہم عنقریب اس کی اس خواہش کو پورا کردیں گے پس ہمارے اختیار میں ہے کہ جس کو چاہیں گے دیں گے[۳]۔ خدا بندوں کی اور خواہشوں کو پورا کرتا ہے لیکن اپنی مرضی کے مطابق اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے ارادہ کا سنت الٰہی پر اثر ہوتا ہے۔

۱۔ سورہ طلاق، آیت ۸

۲۔ سورہ اسراء، آیات ۱۸۔۱۹

۳۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۳، ص ۵۷

سورہ اسراء کی بیسویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے: كُلًّا نُمِدُّ هؤُلَاءِ یعنی ہم دونوں کی مدد کرتے ہیں، کلا جو کہ نمدُّ کا مفعول ہے، اس کو فعل پر اس لیے مقدم کیا گیا ہے تاکہ یہ سمجھا جائے کہ سنت امداد رسانی دونوں گروہ کو شامل ہے اور وہ اس طرح کہ انسان کی آرزو کو پورا کرنے میں خدا کی جو امداد رسانی کی سنت ہے وہ اپنی جگہ برقرار ہے۔ (چاہے یہ آرزو آخرت کے طلب گار مومن کی ہو یا دنیادار کافر کی)

مذکورہ آیات انسان کو اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیتی ہیں۔ انسان مسلوب الارادہ و اختیار نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مذکورہ سنتوں میں انسان کی خواہش کا اثر سنت و قانون کے جاری ہونے یا نہ ہونے میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ ایک طرف وہ بشر ہے جس کے اندر خدا کے امر ہدایت سے روگردانی کی طاقت ہے چاہے وقتی طور پر ہی سہی لہٰذا وہ جبری قانون کے تحت نہیں آتا ہے۔ اسی طرح قرآن کی اجتماعی اور تاریخی سنن کا انسان کے ارادہ سے مشروط ہونا، انسان کے ارادہ کی آزادی کی قطعی دلیل ہے اور جب قرآن کے تاریخی منصوبہ کے تحقق میں تاریخی سنتوں کا اثر ہو اور یہی سنتیں انسان کو اس کے اعمال کا ذمہ دار بھی قرار دیتی ہوں تو انسانوں کا ارادہ تاریخی سنتوں کے شانہ بشانہ مستقبل موعود کو وجود دینے میں بنیادی کردار ادا کرے گا۔

ایک طرف انسان اپنی اندرونی طاقت (فکر وارادہ) کی بنیاد پر حرکتِ تاریخ کو وجود دیتا ہے۔[1] فکر، انسان کا وجود ذہنی ہے جس میں مقاصد واہداف متصور ہوتے ہیں اور ارادہ انسان کو ان اہداف کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ فکر وارادہ کے امتزاج سے انسان سے ایسا فعل صادر ہوتا ہے جس کا رخ مستقبل کی طرف ہوتا ہے[2]۔

بعض اجتماعی تبدیلیوں کا سرچشمہ الٰہی ہوتا ہے اور ان کے افکار و نظریات کی اصل وحی الٰہی ہوتی ہے، اس کے باوجود ان کے وجود میں آنے کے سلسلہ میں خدا کی سنت یہ ہے کہ وہ فطری وعادی طریقہ سے اور ایک اجتماعی طبیعی واقعہ کے طور پر وجود میں آئیں کیونکہ جب تک ماحول و معاشرہ میں انقلاب کے لیے مناسب فضا قائم نہیں ہوگی تب تک، انقلاب نہیں آئے گا اور آسمانی انقلاب آگے نہیں بڑھے گا۔

بعنوان نمونہ، جنگ بدر میں فتح کے بعد جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے بارے میں قرآن فرماتا ہے: إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ،

۱۔ الموسوعہ الشہید الصدر، ج ۱۹، ص ۱۱۷

۲۔ ایضاً، ص ۱۱۶

ترجمہ: اگر تمہیں (مسلمانو!) زخم لگا ہے تو تمہارے دشمن کو بھی زخم لگا ہے اور اس فتح وشکست کو تو ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں[1]۔

قرآن یہ بتانا چاہتا ہے کہ یہ داستان تاریخی سنن وضوابط سے مربوط ہے۔ جنگ بدر میں کامیابی کا سبب وہ حالات ہیں جو لوگوں نے فتح کے لیے بنائے تھے اور تاریخی سنن کے مطابق ان حالات کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمان کامیاب ہوں چنانچہ وہ فتحیاب ہوئے اور جنگ احد میں حالات کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمان شکست کھائیں چنانچہ انہوں نے شکست کھائی[2]۔

تاریخی سنن میں انبیاء واوصیاء کا ایک کردار ہوتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے ماننے والوں کا اس میں کوئی کردار نہیں ہے خصوصاً ان انقلابوں یا اصلاحی تحریکوں میں جن کو الٰہی سنتوں کے مطابق فطری طریقہ سے جاری ہونا ہے، لوگوں کا اہم کردار ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں فرعون کی نابودی اور بنی اسرائیل کے برسراقتدار آنے کی داستان، اپنی سنتوں سے متفق ہونے اور اس عہد کے اجتماعی ولی (حضرت موسی) سے مرتبط ہونے اور ان کے اتباع کا ایک نمونہ ہے جسے سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۲۹ سے ۱۳۴ میں مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

نتیجہ گیری:

۱۔ تاریخ پر مشیت خدا کی حاکمیت، تاریخ کا ہمہ جانبہ تکامل کی طرف بڑھنا اور انسان کے ارادے کے تحت تاریخی سنتوں کا وجود میں آنا، قرآن کریم کے مستقبل نگری کے اصولوں میں سے ہے۔

۲۔ شہید صدر کے نقطۂ نظر کی بنیاد پر کائنات پر تاریخی قوانین کی حکومت قرآن کی تاریخی سنتوں کے ساتھ مکمل طور پر قابل انطباق ہے اور ان سنتوں کے انکشاف سے جزئی واقعات کے ذریعہ کلی وقطعی قوانین کا سراغ لگایا جاسکتا ہے اور ان کے مطابق عمل کرنے سے انسان اپنے مستقبل ومقدر کو بدل سکتا ہے۔

۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۴۰

۲۔ الموسوعہ الشہید الصدر، ج ۱۹، ص ۵۱

۳۔ تاریخ کی ہمہ جانبہ سیر تکامل، قرآن کی مستقبل نگری کا ایک اور اصول ہے۔ علم نافع اور عمل صالح کا بشر کی تکاملی سیر میں ہونا لازمی ہے۔ قرآن کے نقطۂ نظر سے سیر تکاملی اس زمانہ میں ہوگی جب منجی بشریت کا ظہور ہوگا۔

۴۔ قرآن کی بعض تاریخی سنتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ انسان اپنی زندگی و تاریخ کا خود ذمہ دار ہے۔ مثلاً منجملہ اجتماعی انقلابات، افراد کی باطنی تبدیلی سے مربوط ہیں اور اپنی قسمت میں انسان کی مداخلت اس بات کی دلیل ہے کہ اگر انسان کے ارادہ میں تبدیلی نہیں ہوگی تو تاریخی سنتوں میں بھی تبدیلی نہیں ہوگی۔

۵۔ انسان کا ارادہ خدا کی مشیت کے تحت ہے ۔ انسان خدا کے ارادہ اور مشیت کی بنیاد پر ان اعمال وافعال کو انجام دینے میں مختار ہے جو اس کی قسمت اور مستقبل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مختصر لفظوں میں یہ کہئے کہ انسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے اور اپنی تاریخ خود رقم کرتا ہے۔

۶۔ تاریخی سنتیں ، قرآن کے تاریخی منصوبہ کے تحقق کا سبب ہیں اور دوسری طرف انہیں سنتوں کی بنیاد پر انسان کو اس کے افعال واعمال کا ذمہ دار قرار دیتی ہیں، اس بناپر انسان کا ارادہ، تاریخی سنتوں کے ساتھ مل کر مستقبل موعود کے وجود میں آنے میں اہم کردار ادا کرے گا۔

منابع و مآخذ

- قران کریم
- اژہ ای، محمد علی، مبانی منطق، ج ۴، سمت، تہران، ۱۳۸۲
- پایدار، حبیب اللہ، برداشت ہایی در بارہ فلسفہ تاریخ از دیدگاہ قرآن، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۳۶
- پوپر، کارل، ر، فقر تاریخی گری، ترجمہ احمد آرام، ج ۲، خوارزمی، تہران، ۱۳۵۰
- جعفری، یعقوب، بینش تاریخی قرآن، ج ۲، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، قم، ۱۳۶۸
- راغب اصفہانی، محمد حسین، مفردات الفاظ القرآن، محقق صفوان عدنان داوودی، دار القلم، دمشق، بیروت، دار الشامیہ، ۱۴۱۶ق
- سقا، فرشتہ، نقش ارادہ انسان در تحقق آیندہ موعود از منظر قرآن و مقایسہ آن با نظریہ پایان تاریخ، پایان نامہ کارشناسی ارشد، دانشگاہ الزہراء، ۱۳۹۱

- صدر، محمد باقر، الموسوعہ الشہید الصدر، ج ۱۹، مرکز الابحاث والدراسات التخصصیۃ للشہید الصدر، قم، ۱۴۲۱ق
- صدر، محمد باقر، خلافت انسان و گواہی پیامبران، ترجمہ جمال موسوی، تہران، ۱۳۵۹
- طباطبائی، سید محمد حسین، اصول فلسفہ وروش ریالیسم، ج ۲، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۷
- طباطبائی، سید محمد حسین، روابط اجتماعی در اسلام، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۷
- طباطبائی، سید محمد حسین، شیعہ در اسلام، ج ۵، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۸
- طباطبائی، سید محمد حسین، شیعہ، ج ۲، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۷
- طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۵، دفتر انتشارات اسلامی، قم، ۱۴۱۷ق
- کارگر، رحیم، آیندہ جہان (دولت وسیاست در اندیشہ مہدویت)، ج ۲، مرکز تخصصی مہدویت، تہران، ۱۳۸۷
- کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی، ج ۱۵، دار الحدیث، قم، ۱۴۲۹ق
- مجلسی، محمد تقی، روضۃ المتقین فی شرح من لایحضرہ الفقیہ، ج ۲، مؤسسہ فرہنگی اسلامی کوشانبور، قم، ۱۴۰۶ق
- مصباح یزدی، محمد تقی، جامعہ وتاریخ از دیدگاہ قرآن، سازمان تبلیغات اسلامی، تہران، ۱۳۷۸
- مطہری، مرتضی، مجموعہ آثار، ج ۱۔۱۵، و ۲۴، صدرا، تہران
- معموری، علی، نظریہ سیاسی شہید سید محمد باقر صدر، اشراق، قم، ۱۳۷۹
- مقدم، احمد حامد، سنتہای اجتماعی در قرآن کریم، ج ۵، بنیاد پژوہشہای اسلامی آستان قدس رضوی، مشہد، ۱۳۸۴